چاہیئے۔ یہ راہ بڑی پُرخطر ہے۔

علامہ مشرقی اور ان کے ہم نواؤں کی اس علمی جدوجہد کے بارے میں مولانا ابوالکلام آزاد کے ارشادات واقعی خوب ہیں۔ وہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ :۔

"آج کل ہندوستان اور مصر کے بعض دانش فروشوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ جو خود انہی کے لفظوں میں یہ ہے کہ زمانۂ حال کے "اصول علم و ترقی" قرآن سے ثابت کیئے جائیں۔ یا بقول ان کے فلسفہ و سائنس اس کی ہر ہر آیت میں بھر دیا جائے گویا قرآن صرف اسی لیئے نازل ہوا تھا کہ جو بات کوپرنیکس اور نیوٹن نے یا ڈارون نے اور دلبس نے بغیر کسی الہامی کتاب کے اپنی فلسفہ اندیشیوں کے ذریعے دریافت کر لی ان باتوں کو چند صدی معموں اور پہیلیوں کی طرح دنیا کے کان میں پھونک دے اور پھر وہ صدیوں تک دنیا کی سمجھ میں نہ آئیں اور اب موجودہ زمانے کے مفسر پیدا ہوئے اور وہ تیرہ سو برس پیشتر کے معمے حل فرما رہے ہیں۔"

ان لوگوں سے مخاطب ہو کر مولانا ابوالکلام فرماتے ہیں :۔

"تم صحیح علم کی ایک ذرا سی نمود دیکھ کر مرعوب ہوتے ہو اور چاہتے ہو کہ قرآن کو فوراً اس کی جگہ سے ہٹا دو۔ لیکن اگر تم جلدی نہ کرو تو قرآن کو ہلنے کی ضرورت کبھی نہ ہوگی جلد یا بدیر علم اپنی جگہ چھوڑے گا اور آگے بڑھ کر قرآن کی تصدیق کرے گا۔"

علامہ مشرقی کے اس نظریئے پر کہ "قرآن و سائنس کو ہم آہنگ کیا جائے" یہ بہترین تبصرہ ہے اور حیرت تو اس پر ہے کہ اس نظریہ کا کھوکھلا پن اہل علم اور ارباب فکر پر پوری طرح ظاہر ہو چکا ہے۔ مگر پھر بھی کچھ ایسے لوگ مسلمانوں میں اب تک پائے جاتے ہیں جو اس نظریہ کو درست مانتے ہیں۔ اور اپنی ضد پر قائم ہیں۔

علاوہ ازیں علامہ مشرقی صاحب کا یہ فرمانا کہ ملت کو پرانے اوزارِ عمل خیرباد کہہ کر نئے اوزارِ عمل اختیار کرنے چاہیئیں اور قدیم شریعت کو ترک کر کے اپنے لیئے نئی شریعت تشکیل دینا ہوگی۔ کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا کردہ اوزارِ عمل قیامت تک ناکارہ و فرسودہ نہیں ہوں گے اور دین کے ساتھ اس

© rasailojaraid.com

کا اوپری خول اور لباس بھی ضروری ہے۔ کیونکہ وہ اس میں جڑا ہوا اور محفوظ ہے ؎

ما ز قرآں مغز را بر داشتیم　　استخواں پیش سگاں انداختیم!

کے رجحان کو ملتِ اسلامیہ نے پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا کہ قرآن اپنے الفاظ و معانی کے اعتبار سے سراپا مغز دجوہری واقع ہوا ہے۔ اس کا ایک حرف بھی ایسا نہیں ہے جس کے معنی سے کوئی "مغز" کو چن لے اور استخواں نااہلوں کے لئے چھوڑ دے۔

درحقیقت زمانۂ گذشتہ اور زمانہ موجودہ میں بھی وہ لوگ جو باطل نظریات کے سحر میں گرفتار ہوئے اسلام کے بارے میں یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ اسلام کا پرانا ایڈیشن چل نہیں سکتا اور ہمیں اس کا ایسا نیا ایڈیشن نکالنا چاہیئے جو من بھاتا ہو وہ دین کی عقلی تعبیر اور شریعت میں اجتہاد کے نام پر ایک بالکل نیا اسلام وضع کرنا چاہتے ہیں جس کا ماضی کے اسلام سے کوئی تعلق نہ ہو لیکن اس طرح کے مجددین پرانے زمانے میں بھی ناکام رہے ہیں اور آج بھی ناکام ثابت ہو رہے ہیں کیونکہ اسلام پر حقیقی ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ ایک ایسی تہذیب پیدا کی جائے جو اسلامی اقدار کے مطابق ہو اور اسلام کو عصر حاضر کی کسی تہذیب کے سند اور جواز کے لئے استعمال کرنا یا اس کا تابع ہونا اسلام کی خدمت نہیں بلکہ اسلام سے انحراف ہے۔

بقیہ "دو جدید الہیاتی مفکرین کا تقابلی جائزہ"

جس پر انتہائی پر مغز اضافہ کیا حضرت علیؓ نے اپنے اس قول میں۔ والبحث عن کنہ الذات اشراک اسی حقیقت کو حضرت اکبرالہ آبادی نے انتہائی سادہ الفاظ میں یوں بیان کیا ہے۔

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا
بس جان گیا میں تیری پہچان یہی ہے

.com

لطف الرحمان خاں

جہاد فی سبیل اللہ اور ہماری ذمہ داریاں

ایک مرتبہ کچھ صحابہؓ کرام آپس میں بحث کر رہے تھے۔ ایک کا خیال تھا کہ اسلام لانے کے بعد حاجیوں کو پانی پلانے سے زیادہ کوئی عبادت نہیں۔ دوسرے نے کہا کہ اسلام کے بعد بہترین عمل مسجد حرام کی خدمت ہے (مثلاً جھاڑو دینا یا روشنی وغیرہ کرنا)۔ کسی نے کہا کہ جہاد فی سبیل اللہ تمام عبادات و اعمال سے افضل و اشرف ہے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں ٹوکا کہ تم لوگ جمعہ کے وقت منبر رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس بیٹھ کر اس طرح بحث کر رہے ہو۔ ذرا صبر کرو۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ سے فارغ ہو جائیں گے تو آپؐ سے یہ چیز دریافت کر لی جائے گی۔ چنانچہ جمعہ کے بعد حضورؐ سے سوال کیا گیا تو مندرجہ ذیل آیات نازل ہوئیں[1]

> "کیا تم لوگوں نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کا بسانا اس کے برابر کر دیا جو ایمان لایا اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں۔ اللہ کے نزدیک یہ برابر نہیں ہیں۔ اور اللہ ہدایت نہیں دیتا ظالم لوگوں کو ○ جو ایمان لائے اور (جنہوں نے) ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے، اُن کے لئے اللہ کے پاس بڑا درجہ ہے۔ اور وہی لوگ مراد کو پہنچنے والے ہیں ○" (سورۃ توبہ۔ آیت ۲۰۔ ۱۹)

صحابہ کرام کے درمیان جو مسئلہ زیر بحث تھا اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فیصلہ بالکل صاف اور دو ٹوک ہے۔ اس کے باوجود ان آیات میں چند باتیں غور و فکر کی

---

[1] بحوالہ صحیح مسلم۔ منقول از ترجمہ شیخ الہند۔ تفسیر آیت متعلقہ۔

© rasailojaraid.com

متقاضی اور وضاحت طلب ہیں۔ جس کے بغیر امکان ہے کہ ایک عام مسلمان مجاہد کے اس "درجہ اعظم" تک نہ پہنچ سکے جس کا یہاں ذکر کیا گیا ہے۔

پہلی غور طلب بات یہ ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ سے قبل ایمان باللہ اور ایمان بالآخرہ کا ذکر کیوں کیا گیا؟ ظاہر ہے کہ جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے وہ اللہ کو بھی مانتا ہے اور آخرت کو بھی۔ اس لئے سرسری طور پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ الفاظ زیب داستان کے طور پر آئے ہیں۔ لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اس میں کوئی لفظ بے محل اور بے مقصد نہیں ہے۔ اس نقطہ نظر سے جب ہم ان الفاظ پر غور کرتے ہیں تو بات سمجھ میں آ جاتی ہے۔ یہ دراصل پیشگی شرائط (PRE- REQUISITES) ہیں جن کو پورا کئے بغیر کسی مجاہد کو اللہ تعالیٰ کے پاس "درجہ اعظم" نہیں ملے گا۔

پہلی شرط یہ ہے کہ ایمان اللہ پر ہی ہو۔ یعنی اجر کی توقع اللہ کے سوا کسی اور سے نہ ہو۔ نہ امیر تنظیم سے' نہ حاکم وقت سے اور نہ ہی عوام الناس سے داد و تحسین کی شکل میں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ایمان آخرت پر ہو۔ یعنی اللہ سے جس اجر کی توقع ہے اس کی طلب' اس کے لئے تڑپ آخرت کے لئے ہو' دنیا کے لئے نہیں۔ اس لئے کہ یہاں جو کچھ ملے گا وہ یہیں رہ جائے گا اور آخرت میں عنداللہ بلندی درجات کا موجب نہیں ہو گا جو مجاہد ان شرائط کو پورا کرتے ہوئے اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا اس کے نصیب میں وہ "درجۂ اعظم" ہے جس کا ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے۔

دوسری غور طلب بات یہ ہے کہ لوگوں کے لئے پانی کا انتظام کرنا اور مساجد کی خدمت کرنا عام قسم کے صالح اعمال میں سے نہیں ہیں بلکہ یہ بہترین صدقہ جاریہ ہیں۔ گویا نفلی عبادات ذکر' ورد اور تسبیحات سے ان کا مقام بلند تر ہے۔ پھر ان کا بھی بلند ترین درجہ یہ ہے کہ پانی کا انتظام عام لوگوں کے لئے نہیں بلکہ حجاج کرام کے لئے کیا جائے۔ اور عام مساجد کی نہیں بلکہ مسجد حرام کی خدمت کی جائے۔

.com

لوگ یہ کام کرتے ہیں، ذرا سوچیے کہ وہ کتنے عظیم المرتبت لوگ ہیں۔ اب پھر غور کیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے کتنے عظیم المرتبت لوگوں کا ذکر کرنے کے بعد یہ فرمایا ہے کہ مجاہد کا رتبہ اس کے پاس ان لوگوں سے کہیں زیادہ ہے۔

پھر آیت نمبر ۱۹ کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ ضروری ہے کہ اس مقام پر اس ارشاد کے مفہوم کا تعین کر لیا جائے۔ ورنہ ہم اس ہدایت سے محروم رہ جائیں گے جو اس ارشاد ربانی میں مضمر ہے۔ یہاں پر ظالمین سے مراد بے موقع کام کرنے والے[۱] ظلم کا اصل مفہوم ہے کسی چیز کو بے موقع رکھنا ہے۔[۲] کسی چیز کو اس کے لئے معین مقام پر نہ رکھنا۔ خواہ کمی یا زیادتی کر کے یا اسے اس کے صحیح وقت یا اصلی جگہ سے ہٹا کر۔[۳] اس طرح ظلم کے دو پہلو ممکن ہیں۔ ایک یہ کہ کسی چیز کو اس کے اصل سے برتر مقام دے دینا۔ دوسرے یہ کہ اصل سے کم تر مقام دینا۔ ظلم کے اس مفہوم کو ذہن میں رکھ کر ارشاد ربانی پر اس مسئلہ کے پس منظر میں غور کیجیے جو صحابہ کرام کے درمیان زیر بحث تھا تو بات واضح ہو جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نوافل، ذکر، ورد اور تسبیحات کا اہتمام کرنا اور صدقہ جاریہ کے کاموں میں حصہ لینا نیک اعمال ہیں لیکن ان میں انہماک اگر اس درجہ بڑھ جائے کہ ہم جہاد کے فرض کو بھول جائیں تو یہی ظلم ہے اور جو ایسا کرے وہی ظالم ہے۔ بخارا پر جب تاتاریوں نے حملہ کیا تو اس آفت سے نجات حاصل کرنے کے لئے وہاں کے علماء کرام نے مسجد میں جمع ہو کر بخاری شریف کی تلاوت کا اہتمام کیا۔ بخاری شریف کی عظمت اپنی جگہ مسلم ہے لیکن اس کا جو بے موقع استعمال بخارا کے علماء نے تجویز کیا تھا وہ بلاشبہ ظلم ہی کے ذیل میں آتا ہے۔

اسی تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ کوئی شخص جہاد فی سبیل اللہ کے فرض میں سرگرم ہے اور اپنے فرض کی عظمت کے زعم میں اس نے نوافل، ذکر، ورد، تسبیح اور صدقہ

---

۱ ترجمہ شیخ الہند۔ تفسیر آیت مذکورہ [illegible] ۲ مفردات القرآن [illegible]

۳ [illegible]

© rasailojaraid.co

جاریہ کے کاموں سے مکمل طور پر کنارہ کشی اختیار کر لی ہے یا وہ ان کاموں کو اور یہ کام کرنے والوں کو حقیر سمجھ رہا ہے تو وہ بھی ظلم کر رہا ہے۔ وہ اپنے رب کی اس ہدایت کو بھول رہا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے ہم تک پہنچی ہے اور جس میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مخاطب فرما کر ہدایت دی ہے کہ جب آپؐ (اپنے فرائض منصبی سے) فارغ ہو جایا کیجئے تو ریاضت کیا کیجئے اور اپنے رب ہی کی طرف توجہ رکھیئے[ل] اس طرح ہمیں اور خاص طور سے ایک مجاہد کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ ہر کام کا اپنا اپنا مقام ہے اور ان کے کرنے کا ایک موقع اور محل ہے۔ ہر کام کو اپنے اپنے موقع اور محل پر سرانجام دینا ہی اعتدال کی راہ ہے۔ صراط مستقیم ہے اور جہاد فی سبیل اللہ جیسے عظیم فرض کی ادائیگی میں منہمک ہو کر اگر کوئی شخص ذکر اللہ اور تعلق اللہ کی اہمیت سے بالکل غافل ہو جاتا ہے تو وہ بھی ظلم کرتا ہے۔

اب غور طلب بات یہ ہے کہ جہاد کا مطلب کیا ہے۔ ہمارا سب سے بڑا المیہ یہی ہے کہ ہم نے جہاد کو قتال کا ہم معنی قرار دے لیا اور پھر اپنی غلطی پر اڑ گئے۔ جس کے نتیجے میں بحیثیت امت ہم اپنا فرض منصبی گم کر بیٹھے۔ راہی جب اپنی منزل کی شناخت گم کر دیتا ہے تو اس میں اور کٹی پتنگ میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔ دونوں ہی تھپیڑوں کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں۔ آج امت کا بالکل یہی حال ہے۔

جہاد کو قتال کا ہم معنی قرار دینے کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا کہ ایک عام مسلمان جہاد کا جذبہ رکھنے کے باوجود اس پر عمل نہیں کر پاتا کیونکہ اس کی پہلی شرط تو یہ ہوئی کہ کسی کافر ملک سے جنگ ہو اور جب جنگ ہو بھی جائے تو اس سے استفادہ صرف فوجی کر سکتے ہیں۔ اس لئے ایک عام مسلمان صبر کر لیتا ہے کہ یہ سعادت اس کی پہنچ سے باہر ہے۔ اس کے بعد اگر قرآن اور احادیث میں وہ جہاد کی عظمت اور اس کے اجر و ثواب کا بیان پڑھتا ہے تو ٹھنڈی سانس بھرنے کے علاوہ اور کیا کر سکتا ہے۔ اس میں عملی حصہ لینے کا خیال اور اس کے فرض عین ہونے کا احساس دل و دماغ کے کسی

ل سورۃ الم نشرح ۔ آیت نمبر ۸

.com

گوشے میں آئے تو کہاں سے آئے، کھڑکیاں تو ساری بند ہیں اور یہ سب کچھ نتیجہ ہے ایک بظاہر بڑی معصوم سی غلطی کا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جہاد کے وسیع مفہوم کو قتال کے کوزے میں بند کر دینا اپنی جگہ ایک ظلم ہے اس لئے آیت زیر مطالعہ سے عملی ہدایت حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ جہاد کا مفہوم ہمارے ذہن میں پوری طرح واضح ہو۔

جہاد کا لفظ جہد سے بنا ہے جس کے معنی ہیں کوشش۔ جدوجہد کا لفظ اردو میں عام استعمال ہوتا ہے۔ یہی جہد کا لفظ جب جہاد اور مجاہدہ کی شکل اختیار کرتا ہے تو اس میں دو اضافی مفہوم شامل ہو جاتے ہیں۔ یعنی کوشش میں ایک سے زیادہ فریق کی شرکت اور ایک فریق کا دوسرے پر برتری حاصل کرنے کے لئے کشمکش کرنا۔ جہاد کے اس مفہوم کو ذہن میں رکھ کر غور کیجئے کہ جہاد فی سبیل اللہ کے عملی تقاضے کیا ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق افضل جہاد یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرے۔ یعنی اپنی خواہشات اور پسند ناپسند کے ساتھ کشمکش کر کے ان پر اپنی برتری قائم کرے اور انہیں حدود اللہ کے تابع کرے۔ یہ جہاد فی سبیل اللہ کا پہلا مرحلہ ہے۔ یعنی "درجہ اعظم" تک رسائی کی سیڑھی کا پہلا زینہ اور اس میدان میں کسی حد تک کامیابی حاصل کئے بغیر اگلے مرحلہ میں قدم رکھنا بہت بڑی غلطی ہے۔ اگلے مراحل میں کامیابی کا انحصار براہ راست اس بات پر ہے کہ اپنے نفس کے خلاف جہاد کے میدان میں کتنی کامیابیاں حاصل کی جا چکی ہیں۔ شاید اسی لئے اسے افضل جہاد قرار دیا گیا ہے۔ اس کے بعد مرحلہ آتا ہے دعوت و تبلیغ اور نظریہ اسلام کی نشر و اشاعت کا پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا۔ اور جہاد کی آخری منزل ہے اللہ کے دین کو زمین پر عملاً رائج اور غالب کرنے کی جدوجہد کرنا۔ اس مرحلہ پر اگر جنگ و جدال کی نوبت آ جائے تو پھر قتال فی سبیل اللہ میں حصہ لینا جو درحقیقت جہاد ہی کی ایک انتہائی شکل ہے۔ ؎

؎ الہدیٰ کے کیسٹ نمبر ۲۲ جہاد فی سبیل اللہ سے ماخوذ۔

© rasailojaraid.co

اب ہمیں تھوڑا بہت اندازہ ہو جانا چاہئے کہ جہاد فی سبیل اللہ کی اصطلاح کتنی وسیع اور ہمہ گیر ہے جبکہ قتال فی سبیل اللہ اس کا ایک جز ہے اور چوٹی کی منزل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات تھی کہ ہم ان دونوں اصطلاحوں کو گڈمڈ کر کے اپنے فرائض منصبی سے پہلوتہی کریں گے اس لئے قرآن میں جہاں جنگ کے متعلق ہدایات یا تاکید مقصود ہے وہاں جہاد کے بجائے قتال کا لفظ آیا ہے۔ اس کے باوجود ہم یہ غلطی کر بیٹھے۔ یہ نتیجہ ہے اس بات کا کہ ہم قرآن کی تلاوت سے ثواب تو حاصل کر لیتے ہیں لیکن قرآن کو سمجھ کر اس سے ہدایت حاصل نہیں کرتے۔

اب یہ بات سمجھ میں آجانی چاہئے کہ جہاد کا ثواب حاصل کرنے کے لئے یہ لازم نہیں ہے کہ کسی کافر ملک کے ساتھ جنگ ہو اور ہم فوج میں بھرتی ہوں بلکہ یہ تو مسئلہ ہے اس جدوجہد اور کشمکش میں شرکت کا جو ہر فرد کی ذات میں، ہر گھر میں، زندگی کے ہر موڑ اور ہر ہر قدم پر پورے شدومد کے ساتھ جاری ہے۔ اس میں شرکت ہر وقت عملی طور پر ممکن ہے اور ہر فرد کی دسترس میں ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے جہاد فی سبیل اللہ کو ایمان کا لازمی تقاضا قرار دیا ہے[لہ]

جہاد کے وسیع اور ہمہ گیر مفہوم کو ذہن میں رکھتے ہوئے آیئے سوچتے ہیں کہ آج کے دور میں اس میں شرکت کی عملی صورتیں کیا ہیں۔ اپنے نفس کی خواہشوں کے خلاف جہاد کرنے کے لئے اللہ کے احکام کا علم حاصل کرنا ناگزیر ہے۔ اسطرح گویا قرآن و حدیث کا علم حاصل کرنا بھی جہاد ہے اور اس پر عمل پیرا ہو کر اس کی تعلیم دینا بھی جہاد میں شامل ہے۔ دعوت و تبلیغ کے مرحلہ میں غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینا یقیناً جہاد ہے لیکن اس وقت اس دعوت کے زیادہ حقدار ہم جیسے "خاندانی مسلمان" ہیں۔ ان کے ذہنوں میں دیگر نظریہ ہائے حیات کے مقابلے میں اسلام کے نظریہ کی برتری کو جاگزیں کرنا دور جدید کے باطل نظریات کی "شمشیر قرآنی" کے ذریعے مکمل تردید کرنا اور ان کی جگہ صحیح قرآنی فکر پیش کرنا، اور پھر اسلامی نظریہ کی

لہ سورۃ الحجرات آیت نمبر ۱۵۔